متحدہ قومیت اور اسلام

از مولانا آزادی مدیر مجلہ طلوع اسلام دہلی



سید سرور شاہ گیلانی

دفتر اشاعت سیرت مصری شاہ - لاہور

(ہدیہ ۵۰ روپیہ فی ہزار ۶ روپیہ فی صد ایک روپیہ فی درجن محصول ڈاک علاوہ

بار دوئم: مکتبہ حبیبیہ، ۴۲ - مین بازار داتا صاحب لاہور نے شائع کیا۔

تعارف

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ۹ کروڑ ہے۔ دنیا کے کسی ایک ملک میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد موجود نہیں لیکن کانگرسی سیاسیات میں ۹ کروڑ کی عظیم الشان اسلامی ملت کو ہندوستانی "متحدہ قومیت" کا ایک "فرقہ" قرار دیدیا گیا ہے۔ جو مسلمان ملت اسلامیہ کی جداگانہ تنظیم اور اسلامی حقوق کے تحفظ کا نام لے اسے "فرقہ پرست" اور "رجعت پسند" کہکر مطعون کیا جاتا ہے۔ "واردھا" کے سامری کے طلسم کی یہ کیفیت ہے کہ ہمارے علماء کی ایک جماعت بھی ملت اسلامیہ کی جداگانہ تنظیم کے اسلامی فریضہ کو نظر انداز کر کے ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں کی "متحدہ قومیت" کی تشکیل کیلئے اپنی تمام جدوجہد صرف کر رہی ہے۔

پچھلے دنوں مولینا حسین احمد صاحب مدنی نے اپنی مسند افتا سے اعلان کیا کہ "قومیں مذہب سے نہیں وطن سے بنتی ہیں"۔ اسپر حکیم الامۃ علامہ سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایمان افروز بیان شائع کیا تھا۔ اسپر مولانا صاحب خاموش ہو کر رہ گئے لیکن چھ ماہ کے بعد آپ نے "متحدہ قومیت" کی حمایت میں قرآن اور سنت سے نہایت ہی غلط استدلال کر کے کانگرسی فتنہ کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ خدا مولانا ارازی کو جزائے خیر دے جنہوں نے "متحدہ قومیت اور اسلام" کے عنوان سے ایک بلند پایہ مقالہ لکھا ہے جسے ہم شائع کر کے وسیع پیمانہ پر تقسیم کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس مقالہ میں متحدہ قومیت کے غیر اسلامی تصور کی پوری تشریح و توضیح کی گئی ہے مسلمانوں کیلئے قرآن اور سنت کی صحیح تعلیم پیش کی گئی ہے۔

ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

سید سرور شاہ گیلانی

حفیظ محمد عارف قادری الحکیمی علیہ
20.10.85

متحدہ قومیت اور اسلام

ہندوستان کی سیاستِ حاضرہ میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے. سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ نظریۂ قومیت ہے یہی وہ منحوس دوراہہ ہے جہاں پونہچکر ملت اسلامیہ کے افراد ایک دوسرے کو هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ کہکر الگ الگ جماعتوں میں تقسیم ہوگئے ہیں اور پھر یوں ایک دوسرے سے منہ موڑتے ہیں کہ گویا ان میں کبھی کوئی چیز وجہ جامعیت تھی ہی نہیں یہی وہ بدبخت چٹان ہے جس سے ٹکراکر امت مسلمہ کی کشتی پاش پاش ہوچکی ہے اور اسکے منتشر تختے مختلف موجوں کیساتھ اس بیکسی کے عالم میں بہے جارہے ہیں جیسے گنگا میں لاشیں تیر رہی ہوں. قوم کی اجتماعیت فنا ہوچکی ہے، اسکی متحدہ قوتیں باہمی تخریب و استہلاک میں صرف ہورہی ہیں مسلمان کا گلا مسلمان کے ہاتھوں کٹ رہا ہے. اور دوسری طرف وہ قوم جسنے اپنے استادانِ سیاست سے سیکھا ہے کہ کسی قوم کو تباہ و برباد کرنیکا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان میں باہمی تفریق پیدا کردو. نہایت اطمینان سے مسلمانوں کی طرف سے بالکل بےفکر ہوکر اپنی آنیوالی حکومت کی تیاریوں میں مصروف ہے.

سال گذشتہ کے آغاز میں اس نظریہ سے متعلق ایک نہایت اہم بحث کا سلسلہ چھڑ گیا تھا. مولینا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ "اس زمانہ میں قومیتیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں" چونکہ یہ نظریہ اسلام کے شجرِ طیب کی جڑوں پر تبر چلانیکے مرادف تھا اسلئے ملتِ اسلامیہ کے قلب حساس میں اس سے ایک ٹیس پیدا ہوئی اور آہ آتشیں کی شکل میں ان الفاظ میں لب تک آپونہچی کہ:۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بےخبر ز مقامِ محمد عربی است

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است (اقبال)

ملت کا نصیبہ یاوری کرتا تو مولانا صاحب حضرت علامہؒ کے انہی اشارات سے متنبہ ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ ان کو جرأت عطا کر دیتا تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی فرما لیتے کہ کونسا انسان ہے جسے معصوم عن الخطاء ہونیکا دعویٰ ہو سکتا ہے لیکن ہماری شوریدہ بختی کہ ایسا نہ ہوا اور مولانا صاحب نے اعترافِ حقیقت کی بجائے "عذرِ گناہ" کا مسلک اختیار فرما لیا اور اپنے نظریہ کی تائید میں ایک مبسوط بیان شائع کر دیا۔ جسمیں سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میں نے اپنی تقریر میں قوم کا لفظ استعمال کیا تھا اور حضرت علامہؒ نے اپنے شعر میں اسے لفظ ملت سے تعبیر کیا ہے جو عربی میں قوم کیلئے نہیں بلکہ دین اور شریعت کے لئے مستعمل ہے۔ اس لئے حضرت علامہؒ کا الزام غلط ہے۔ اور اسکے بعد اپنے نظریہ کی توضیح ان الفاظ میں فرمائی:۔

(۱) موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ نسل اور مذہب سے۔

(۲) قوم کا اطلاق ایسی جماعت پر کیا جاتا ہے جسمیں کوئی وجہ جامعیت ہو خواہ وہ مذہب ہو یا وطنیت یا نسل یا پیشہ یا رنگت یا کوئی اور صفت معنوی یا مادی وغیرہ۔

(۳) یہ دعویٰ کہ اسلام کی تعلیم قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرف انسانی اور اخوت بشری پر رکھتی ہے مجھے معلوم نہیں کہ کونسی نص قطعی یا ظنی سے ثابت ہے۔ (مدینہ مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۳۸ء)

جن خوش بخت حضرات کو حضرت علامہؒ کے قرب کی سعادت نصیب تھی ان کا بیان ہے کہ انہوں نے دحضرت علامہؒ نے جب اس بیان کو پڑھا تو وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ یا الٰہ العالمین! اس ہندوستان میں تیرے اس پیغام ازلی کا کیا انجام

ہونیوالا ہے! جہاں کے مفتیانِ دینِ متین اور حامیانِ شرعِ مبین کی یہ کیفیت ہے۔ کہ ولیس نظریہ کو اسلامی نظریہ قرار دے رہے ہیں جس باطل نظریہ کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ اور جبتک اسے عملاً فنا نہیں کر دیا گیا دین کی تکمیل اور اتمام نعمت کا اعلان نہیں ہوا۔ حضرت علامہؒ ان دنوں مرض الموت کے سخت دورے پڑ رہے تھے لیکن مسئلہ کی اہمیت اتنی تھی کہ انہوں نے جان تک کی پرواہ نہیں کی۔ اور اس سے متعلق ایک نہایت بسیط اور جامع بیان اخبارات میں شائع فرما دیا۔ اور یوں اس مسلسل جہاد کی تکمیل فرما دی جسکے اندر ان کی تمام زندگی صرف ہوئی تھی۔ وہ جواب اسقدر مسکت اور مستحکم تھا کہ مولانا صاحب کو کہنا پڑا کہ "میرا مقصد دلی کے بیان میں اخبار تھا انشائیہ تھا" یعنی یہ کہ میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ آجکل یورپ کا نظریہ یہ ہے کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں مسلمانوں کو یہ مشورہ نہیں دیا تھا کہ تم بھی اپنی قومیت کی بنا جغرافیائی حدود قرار دے لو۔

اس کے بعد حضرت علامہؒ انتقال فرما گئے۔ اور یوں اس بحث کا دروازہ بند ہوگیا لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ حضرت علامہؒ کی وفات کے قریب چھ ماہ بعد مولانا صاحب نے مرحوم کے آخری بیان کی تردید میں ایک پمفلٹ بالعنوان "متحدہ قومیت اور اسلام" شائع کرا دیا۔ جو اسوقت ہمارے زیر نظر ہے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ نفس موضوع کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ مولانا صاحب اس سے متعلق پمفلٹ نہیں بلکہ ایک ضخیم کتاب شائع فرماتے۔ لیکن ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے۔ کہ جس انداز سے یہ پمفلٹ لکھا گیا ہے وہ کچھ پسندیدہ نہیں ہے اسمیں افہام حقیقت سے زیادہ زور حضرت علامہؒ کی تردید میں صرف کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی اس اسلوب سے کہ غم و غصہ کے انتقامی جذبات ایک ایک صفحہ سے ابلتے نظر آ رہے ہیں جو اس بات کے غماز ہیں کہ اس تحریک کا محرک کونسا جذبہ تھا۔ اسمیں شبہ نہیں کہ ایسے وقت میں جبکہ اس بات کا

اطمینان ہو جائے کہ فریق ثانی موجود ہی نہیں ہے۔ جو کسی کے جی میں آئے کہہ ڈالے۔ اس سے کہنے والے کا کلیجہ تو ٹھنڈا ہو جاتا ہے لیکن یہ طرزِ عمل کس چیز کا آئینہ دار ہوتا ہے ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ حضرت علامہ زندہ ہوتے تو ملت اسلامیہ کے سامنے اس پمفلٹ کے جواب کے بہانہ سے قرآن کریم کے حقائق و معارف کا ایک اور باب کھل جاتا اب ان کی جگہ لینے والا کون ہے لیکن مولانا صاحب کو مطمئن رہنا چاہئے۔ کہ در

اگرچہ میکدہ سے اُٹھ کے چل دیا ساقی

وہ مے، وہ خم، وہ صراحی وہ جام باقی ہے

اور خم کدہ اقبال میں ایسے ایسے رندانِ قدح خوار موجود ہیں جو ساقی کی چشم مست کے صدقے یشراب ہندی اور بادہ حجازی میں ایک نگاہ میں تمیز کر کے بتادیں طلوع اسلام جسے پیامِ اقبالؒ کی نشر و اشاعت کا فخر حاصل ہے اپنا فریضہ سمجھتا ہے کہ قرآن کریم کی روشنی میں متحدہ قومیت کے نظریہ کا تجزیہ کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کر دے۔ تاکہ وہ سعید روحیں جو تلاش حقیقت میں مضطرب و بیتاب رہتی ہیں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچکر سامانِ تسکین حاصل کرلیں۔ وَمَا تَوفِيقِي إِلَّا بِاللّٰه

متحدہ قومیّت کا مفہوم

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں متحدہ قومیّت دورِ حاضرہ کی ایک سیاسی اصطلاح ہے جو بالخصوص ہندوستان میں "فرقہ داری" کے مقابلہ میں رائج کیگئی ہے۔ اس اصطلاح کے معانی متعین کرنیکے لئے ہمیں ان سیاسی مدبرین کی تحریروں اور تقریروں کیطرف رجوع کرنا ہوگا جنہوں نے اس اصطلاح کو رائج کیا ہے۔ مولانا صاحب نے خود فرمایا ہے۔ کہ

کانگرس نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۸۸۵ء میں اپنا پہلا اور ضروری مقصد حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کیا تھا:۔

"ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے، ان سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا"۔

لہٰذا متحدہ قومیت کے معنی کانگرسی حضرات کے ہاں سے ہمیں مل سکیں گے اور وہ بھی عصر حاضرہ کے کانگرسی حضرات سے کہ اس مسئلہ نے اتنی اہمیت حال ہی میں اختیار کی ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:۔

"ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت پیدا ہو"
(جامعہ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ جس متحدہ قومیت کا نقشہ کانگرس کے ذہن میں ہے، وہ آج موجود نہیں ہے بلکہ وہ کوشش کرنیکے بعد پیدا ہو گی۔ آج مسلمان ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ہندو الگ۔ اسلئے یہ شکل متحدہ قومیت کی نہیں ہے۔ متحدہ قومیت کے عناصر ترکیبی کیا ہوں گے، اسکی تفصیل ذیل کی سطور میں ملیگی۔

عنصر اوّل۔ مہاتما گاندھی لکھتے ہیں:۔

"آج مسلمانوں کی الگ تہذیب ہے۔ اور ہندوؤں کی الگ۔ ان دونوں تہذیبوں کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی تہذیب مرتب ہو گی"۔ (ہریجن مورخہ ۲۹ جولائی اسٹیمن)

اس کی تفسیر سوامی سمپورنانند، وزیر تعلیم یو۔ پی، ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

"ہر وہ شخص جو ہندو، یا مسلم تہذیب کے قائم رکھنے اور اسکو مدارس میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ

یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہوتی چلی ہے..... جب ہندو مسلم تہذیب مٹ جائیگی
تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ ہو سکے گی۔" (ٹریبون ودیہ)

کانگریس کے شعبہ اسلامیات کے معتمد ڈاکٹر اشرف صاحب اسکی تشریح میں یوں رطب اللسان ہیں :-

"اسی اعتبار سے آج ہم ایک نئے اور زندہ تمدن کی تعمیر میں مصروف ہیں ہماری سیاسی اور سماجی جدوجہد اس نئے تمدن کا پیش خیمہ ہے۔" (الجمعیۃ رجب ۱۳۵۶ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہو گا۔ ایسی تہذیب جو نہ مسلمانوں کی ہو، نہ ہندوؤں کی، بلکہ دونوں کے امتزاج سے ایک نئی تہذیب پیدا ہو۔

عنصر دوم۔ آج مسلمانوں کا مذہب الگ ہے اور ہندوؤں کا الگ، اسلئے متحدہ قومیت ابھی وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں مذاہب ملا کر ایک ایسا مذہب پیدا کیا جائے جو دونوں کا مشترکہ مذہب بن سکے چنانچہ ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم صوبہ بہار اپنے ایک مضمون میں اکبر کے دین الٰہی کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں :-

"بعض نے اپنے ولولہ اور جوش سے مجبور ہو کر ہندوستان میں متحدہ قومیت کی آفرینش کے پیش نظر ایک ایسے جدید مذہبی نظام کی نشوونما کرنی چاہی جو ہندوستان میں سب کے مناسب حال ہو، یہ ان لوگوں کی معمولی خدمات نہیں کہی جا سکتیں (جامعہ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

آنریبل مسٹر کے ایم منشی ہوم منسٹر حکومت بمبئی نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں فرمایا۔

جسقدر رجحانات مذہب یا زبان یا ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل کی بنا پر قومیت
ہی کے خلاف پیدا ہو جاتے ہیں، کانگریس ان رجحانات کی مخالفت میں ایک مسلسل جدوجہد
نام ہے۔ من حیث القوم ہماری کمزوری کی سبب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض
وں کی طرف ایک واہمہ پیدا کر دیا گیا ہے کہ مذہب یا زبان کا رشتہ قومیت کے رشتہ
جگہ وجہ جامعیت ہو سکتا ہے، یہ ایک بڑا مہلک دھوکا ہے، یاد رکھیئے مذہب یا زبان
رشتہ ہمیشہ قومیت کے بلند ترین رشتہ کے ماتحت رہنا چاہیئے۔ یہ تصور ہی ہندوستان کو
ظم اور آزاد بنا سکیگا۔" (نیشنل کال ۲۰/۹/۳۹)

اکٹر بی۔ پتابھی سیتا رامیا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ کے ایک رکن نے سودیشی نمائش پٹنہ کا افتتاح
تے ہوئے فرمایا:۔

ہمارا معاشرتی نظام جو ہزاروں برس ہوئے وجود میں آیا تھا اسکی رُو سے افلاس
کا ناطہ علم اور عظمت کیساتھ جوڑ دیا جاتا تھا لیکن اب زندگی کی متضاد قوتوں
میں توازن پیدا ہو چکا ہے اشتراکیت (کمیونزم اور انتمالیت (سوشلزم) دور
حاضرہ کے نظریہ حیات ہیں، اور ہندو ازم اور اسلام ازم عہد کہن کی یادگاریں
ہیں ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کی بنیادوں کا از سرِ نو امتحان کریں (ہندوستان ٹائمز ۱۹/۹/۳۹)

اسلام دشمنی کی انتہا

مذہب چونکہ متحدہ قومیت کی تشکیل و تعمیر میں ایک سنگ راہ سمجھا جاتا ہے اسلئے
ضروری سمجھا گیا ہے کہ جبتک ایک متحدہ مذہب وجود میں نہ آئے مذہب کو محض ایک
پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت دی جائے اور اسے سیاست سے بالکل الگ رکھا جائے چنانچہ

کانگرس کے صدر مسٹر بوس نے آسام میں ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا۔ کہ "میں سب کچھ مسلمانوں کے حوالے کر دینے کو تیار ہوں بشرطیکہ وہ متحدہ قومیت کے نظریہ کو تسلیم کر لیں۔" اسکی وضاحت میں ٹربیون نے اپنے ۱۰ر جون ۱۹۳۸ء کے پرچے کے افتتاحیہ میں لکھا۔

"بس اس ایک شرط کے ماتحت طول و عرض ملک میں کوئی ایک کانگرسی بھی ایسا نہ ہوگا جو تمام اختیارات مسلمانوں کے حوالہ کر دینے پر آمادہ نہ ہو۔ اُنکے (یعنی کانگرسیوں کے) نزدیک یہ مسئلہ ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتا کہ کانگرس یا حکومت کے دائرہ میں زمامِ حکومت جسکے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہندو ہے یا مسلمان یا عیسائی کیونکہ ان کے نظریہ کی رو سے مذہب کو سیاسیات سے نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی ہونا چاہیئے"!

اور ایک مسلم قومیت پرست اسی نظریہ کو ان الفاظ میں دوہراتا ہے:۔

"لیکن ان کا (مسلمانوں کا) باہمی اختلاف جو زیادہ تر مذہبی رجحانات کا نتیجہ ہے کبھی دور نہیں ہو سکتا اور اگر انکے دور کرنے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ وہ کسی ایسے ادارے میں شریک ہو جائیں جو مذہبیات سے بالکل علیحدہ اور صرف سیاسیات سے تعلق رکھتا ہو۔ اور وہ ادارہ صرف کانگرس ہے (مدینہ ۱۳ر اگست ۱۹۳۸ء)

ایک صاحب نے کہیں یہ اعتراض کیا کہ جواہر لال اور گاندھی مسلمانوں کے لیڈر کیسے ہو سکتے ہیں اسکے جواب میں ایک مسلمان کانگرسی اخبار نے لکھا کہ۔

"اگر لیڈری سے مراد مسلمانوں کی دینی امامت و قیادت ہے، تو یہ اعتراض درست ہے لیکن اگر اس سے مراد سیاسی رہنمائی ہے تو بلاشبہ وہ امام و قائد ہو سکتے ہیں۔" (زمزم ۵-۶ ۳۸)

واردھا کی تعلیمی اسکیم کے متعلق جب اعتراض کیا گیا کہ اسمیں مذہبی تعلیم کا عنصر موجود نہیں تو اس کے جواب میں کانگرس کا آرگن نیشنل ہیرلڈ اپنی ۳۹ کی اشاعت میں لکھتا ہے :۔

"مذہبی تعصب کو یہ چیز فراموش نہ کرنی چاہیے کہ اس ملک میں جہاں اتنے مختلف عقائد موجود ہیں قومی تعلیم کو مفید بنانیکی یہی تجویز ہوسکتی ہے کہ اُسے قرآن یا خاستروں کے قوانین اور احکام سے نہ لادا جائے۔"

متحدہ قومیت کے علمبردار ایک ایسے مذہب کو جو جماعتی زندگی سکھاتا ہو کس قدر خطرناک سمجھتے ہیں۔ اسکا کچھ اندازہ، پنڈت جواہر لال نہرو کے ان الفاظ سے لگ سکتا ہے جو اپنی سرگذشت میں لکھتے ہیں :۔

"جس چیز کو مذہب یا منظم مذہب کہتے ہیں اسے ہندوستان میں یا دوسری جگہ دیکھکر میرا دل ہیبت زدہ ہوگیا ہے۔ میں نے اکثر مذہب کی مذمت کی ہے اور اسے یکسر مٹا دینے تک کی آرزو کی ہے۔ قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھے یقین اور ترقی دشمنی کا بے دلیل عقیدت اور تعصب کا، توہم پرستی اور لوگوں سے بیجا فائدہ اٹھانے کا۔ قائم شدہ حقوق اور مستقل حقوق کی بقا کا حمایتی ہے۔" (میری کہانی صـــ۱۶۱)

لہٰذا متحدہ قومیت کی تشکیل کے لئے دوسری چیز یہ ہے کہ مذہب اس قسم کا بنادیا جائے جیسا دین الٰہی یا برہمو سماج جسکی داغ بیل اکبر نے ڈالی تھی۔ اور جسکی تسریح مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں کی ہے۔ اور جبتک ایسا مذہب تیار نہ ہوسکے اسوقت تک مذہب کو ایک پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت دی جائے جسے دنیاوی معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو۔

عنصر سوم۔ آج مسلمان اپنا نام من حیث الجماعت الگ رکھتے ہیں اور ہندو الگ یہ افتر
واختلاف بھی متحدہ قومیت کی تعمیر میں سخت حائل ہے۔ لہٰذا قومیت متحدہ کی تشکیل کے
ہے کہ قوم کا نام بھی ایک ہو۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب اپنے محولہ بالا مضمون میں تحریر فرماتے ہیں
"لفظ ہندی کو زبان کے لئے نہیں بلکہ اہل ہند کے لئے اختیار کرنا چاہئے
بھر میں معروف ہمارا ملک ہی ایسا ملک ہے جس میں مختلف لوگ مذاہب سے شناخت میں آتے ہیں
اسکا اظہار ہی ہماری دماغی کیفیت کا آئینہ دار بنجاتا ہے اور ہمارے متعلق یہ ثابت کر دیتا
کہ ہم اس براعظم کی علیحدہ علیحدہ مذہبی اقوام ہیں اس لئے وقت آگیا ہے کہ ہم ایک مشترک
اختیار کرلیں"۔
یہ اسلئے کہ جیسا کہ ہم مسٹر کے، ایم منشی کی تقریر کے اقتباس سے واضح کر چکے ہیں وطنیت
اور متحدہ قومیت کا رشتہ مذہب کے رشتہ سے کہیں بلند و بالاتر ہے۔ اسلیئے نام کا انتساب
بالاتر رشتہ کی بنا پر ہونا چاہیئے۔ لہٰذا متحدہ قومیت کی تشکیل کیلئے تیسری ضروری چیز
ہوئی کہ مسلمانوں کا اپنا الگ اسلامی نام بھی نہ رہے۔
عنصر چہارم۔ متحدہ قومیت کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس قوم کی زبان بھی ایک ہو۔ اس
کہ جبتک کسی قوم کی زبان مختلف ہوتی ہے وہ دوسری قوم کے اندر جذب نہیں ہو سکتی۔
بغیر انجذاب و انضمام متحدہ قومیت کا وجود عمل میں نہیں آسکتا۔ الگ زبان کے وجود
کی تمنا کرنا فرقہ پرستی ہے جو قومیت پرستی کے بالکل متضاد جذبہ ہے۔ پنڈت جواہر لال
نہرو اپنے ایک مضمون میں ارشاد فرماتے ہیں:۔
"مگر بدقسمتی سے ابھی تک ہندوستان میں فرقہ پرستی طاقتور ہے اور اس
بنا پر زبان میں علیحدگی پسندی کا رجحان بھی وحدت کے رجحان کے ساتھ ساتھ

اپنا اثر برابر دکھائے جا رہا ہے۔ قوم پرستی کے پورے نشو و نما کیساتھ
علیحدگی پسندی جو زبان کے معاملہ میں پائی جاتی ہے بلاشبہ فنا ہو جائیگی۔
ایک علیحدگی پسند حامی زبان کو ادپر سے کھرچو تو دیکھو گے کہ وہ اندر سے
فرقہ پرست ہے۔ بلکہ زیادہ تر تم اسے ایک سیاسی رجعت پسند پاؤ گے۔"

جلد گاندھی اسلامی تنظیم سے عداوت

پنجم عنصر۔ جبتک مسلمان اپنے مذہب کے پابند ہیں انکے باہمی معاملات کا تصفیہ از روئے کتاب و سنت صرف مسلمانوں کی جماعت۔ انکی اپنی مجلس شوریٰ اور اس مجلس کا امیر، مرکز ملت ہی کر سکتا ہے لیکن یہ اصول متحدہ قومیت کی تشکیل کے منافی ہے متحدہ قومیت میں تمام معاملات کا فیصلہ ایک ایسی جمہوری حکومت کی طرف سے ہوگا جو تمام مختلف مذاہب کے مشترکہ مجموعہ پر مشتمل ہوگی۔ اور جمہوریت کے اصول کے مطابق اکثریت کا فیصلہ ملک کا قانون بنا کریگا۔ اور اس جمہوریت کی بنا ہوگی خالص وطنیت۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کانگرس پارٹی کے لیڈر فرماتے ہیں۔

"اب یہ ناممکن ہوگا کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جائے۔ جسکی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آچکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کرلیں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ضمیر، مذہب اور خدا کو انکے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے۔ اور انہیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔ اس بات کا تو تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ عہد حاضر میں بہترین نظام حکومت کی بنا اس نظریے پر قائم ہو سکتی ہے۔

کہ جغرافیائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے
والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک متحدہ
قومیت بن جائیں۔" (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۹/۳۶)
یہ نظریہ ایک ہندو کا ہی نہیں بلکہ خود مولانا حسین احمد صاحب کا بھی ارشاد ہے کہ:۔
"ایسی جمہوری حکومت جسمیں ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی سب شامل
ہوں حاصل کرنیکے لئے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیئے۔ ایسی
مشترکہ آزادی اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام اس
آزادی کی اجازت دیتا ہے۔" (زمزم ۷ر جولائی ۱۹۳۸ء)
اس جمہوریت میں اقلیت کی کیا حالت ہوگی یہ "جنگ آزادی" کے قائد اعظم کی زبان سے سنیئے۔
"دراصل جمہوری حکومت کے معنی یہ ہیں کہ اکثریت اقلیت کو ڈرا کر اور
دھمکا کر اپنے قابو میں رکھتی ہے۔" (میری کہانی از پنڈت جواہر لال ص ۱۵۵ جلد دوم)
لہٰذا متحدہ قومیت کی تعمیر کا پانچواں رکن یہ ہوا کہ اس میں نظام حکومت ایسی جمہوریت پر
قائم ہوگا جو مسلم و غیر مسلم کی جماعتوں پر مشتمل ہوگی اور جسمیں اکثریت کے فیصلے ملک کے قانون کی
کریں گے۔
یہ ہے مختصر متحدہ قومیت کا تصور اور اسکے عناصر ترکیبی۔ اسکے برعکس اگر مسلمان
کہ من حیث المسلم اپنا الگ جماعتی تشخص قائم رکھیں تو یہ جذبہ فرقہ پرستی کا وہ شجر ملعونہ ہے
جو متحدہ قومیت کی جنت ارضی میں کسی صورت میں بار آور نہیں ہو سکتا چنانچہ پنڈت
جواہر لال فرماتے ہیں:۔
"ہندوستان میں مسلم قومیت پر زور دینے کا مطلب کیا ہوتا ہے یہی

یہی کہ ایک قوم کے اندر دوسری قوم موجود ہے۔ جو یکجا نہیں منتشر ہے مبہم ہے، اور غیر متعین ہے۔ اب سیاسی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے۔ تو یہ تخیل بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔ اور معاشی نقطۂ نظر سے یہ بہت دُور از کار ہے۔۔۔۔۔ مسلم قومیت کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ہی نہیں بس مذہبی اخوت کا رشتہ ہی ایک چیز ہے۔" (میری کہانی جلد دوم ص۴۲۱)

پھر فرماتے ہیں:۔

"مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے اگر اخبارات اسکی اسقدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے۔ اور اگر زیادہ لوگوں کو اسپر اعتقاد ہوتا بھی تو حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اسکا خاتمہ ہوجاتا۔" (میری کہانی جلد دوم ص۴۲۲)

کس قدر تاسف سے لکھتے ہیں کہ:۔

"ایسے لوگ ابھی تک زندہ ہیں جو ہندو مسلمانوں کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا وہ ملتوں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے۔ جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال کی گنجائش نہیں۔" (میری کہانی جلد دوم ص۴۲۳)

خود مولانا صاحب اس خیال کی تائید ان حقیقت کشا الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

"ہندو مہاسبھا ویسے ہی ہندوؤں کی الگ جماعت ہے، جیسے مسلم لیگ مسلمانوں کی۔ کانگرس ہندوستان میں بسنے والے ہر ہندوستانی کی جماعت ہے۔" (زمزم ۷ جولائی ۱۹۳۸ء)

یعنی مولانا صاحب کے نزدیک بھی پنڈت جی کی طرح مسلمانوں کی الگ جماعت کا وجود نہایت

قابل نفرت چیز ہے اور قابل فخر جماعت وہی ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی بنیاد پر استوار ہو۔

خلاصۂ بحث

تفصیلات بالا سے ہم نے دیکھ لیا کہ متحدہ قومیت کے اجزائے ترکیبی کیا کیا ہونے ضروری ہیں۔ چند الفاظ میں یوں سمجھئے کہ متحدہ قومیت میں:۔

(۱) مختلف قوموں کی تہذیب کو مٹا کر اُسے ایک جدید تہذیب میں منتقل کر دیا جائیگا۔

(۲) مختلف جماعتوں کے جداگانہ مذاہب کی تحلیل سے ایک مرکب مذہب تیار کیا جائیگا اور جبتک وہ تیار نہ ہوگا اسوقت تک مذہب کو ایک پرائیویٹ عقیدہ سمجھا جائیگا۔

(۳) مختلف قوموں کا الگ الگ نام بھی باقی نہ رہیگا۔ بلکہ ایک مشترکہ نام بنا بر وطنیت اختیار کیا جائیگا۔

(۴) مختلف جماعتوں کی زبان بھی جداگانہ نہیں ہوگی بلکہ اکثریت کی زبان متحدہ زبان قرار پائے گی۔

(۵) متحدہ قومیت کا نظام ایک ایسی جمہوریت سے مرتب ہوگا جو تمام اقوام کے امتزاج سے قائم ہوگا۔ اور جسکی رو سے اکثریت کے فیصلے ملک کا قانون بنا کریں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ:۔

متحدہ قومیت میں مسلمانوں کو اپنا الگ تشخص قائم رکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ لہذا متحدہ قومیت کے معنی یہ ہوئے کہ ایک ملک میں بسنے والی مختلف قوموں کو بنابر

وطنیت اس طرح آپس میں ملا یا جائے کہ ان کی جداگانہ تہذیب، تمدن، نام، زبان، مذہب باقی نہ رہے، بلکہ ان کے امتزاج سے ایک مشترکہ اور متحدہ تہذیب، تمدن، نام، زبان اور مذہب کا وجود عمل میں لایا جائے۔ اور وہ سب ملکر ایک ایسے دستور العمل کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ جسے اس متحدہ قومیت کی جمہوری حکومت چلائے۔

یہ نظام کس طرح قائم کیا جائیگا اسکی تفصیل بھی پنڈت جواہر لال نہرو کی زبان سے سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:-

"سوسائٹی کی موجودہ کشمکش یعنی قومی جنگ اور پھر طبقات کی جنگ کا تصفیہ جبر کے سوا کسی اور صورت سے ممکن نہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ پہلے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کا کام بہت بڑے پیمانہ پر کرنا پڑیگا۔ کیونکہ جب تک بہت بڑی جماعت ہم خیال نہ ہو جائے۔ اسوقت تک نظامِ تمدن کو بدلنے کی کوئی تحریک مضبوط بنیاد پر قائم نہ ہو سکیگی لیکن اسکے بعد تھوڑے لوگوں پر جبر کرنیکی ضرورت ہوگی۔" (میری کہانی ص۴۶۹)

معانی متعین ہو گئے، ارباب نظر کے لئے تو اسکی شاید ہی ضرورت ہو کہ اب دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا جائے کہ اس قسم کی متحدہ قومیت کشتیٔ اُمّت کو اپنے ہاتھوں آنندبھون کے سامنے گنگا میں ڈبو دینے کے مرادف ہے لیکن چونکہ مولنا صاحب اِس متحدہ قومیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اسکی تکمیل مذہبی فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور (معاذ اللہ) اسکی بنیاد خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ اسلیئے آئیندہ صفحات میں یہ واضح کیا جائیگا کہ فی الواقعہ عجم ہنوز رموز دیں نمی داند پہلے مولنا صاحب کے دلائل پیش کیئے جائیں گے۔

قرآن فہمی کا یاس انگیز مظاہرہ

مولانا صاحب نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں سب سے پہلے یہ دلیل پیش کی ہے کہ
میں جہاں مختلف انبیاء کرام کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان قوموں میں مومن و کافر دونوں
لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ مومنین و کافرین کے امتزاج سے متحدہ قومیت بن سکتی ہے۔
کی بحث کے دوران میں ارشاد ہے کہ:۔

"جس جگہ یہ لفظ مضاف واقع ہوا ہے اور مضاف الیہ مسلمان یا پیغمبر ہے اور کلام غیر مسلم کے متعلق ہے تو یقیناً اس جگہ پر مشرکوں اور کفار کا پیغمبر یا مسلمانوں کیساتھ قومیت متحدہ میں منسلک ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے۔ کذبت قوم نوح المرسلین کذبت قبلھم قوم نوح و اصحاب الرس۔۔۔الخ

اسی قسم کی اضافتوں کی مثالوں کے بعد فرماتے ہیں:۔

"غرضیکہ اس قسم کی بیشمار آیتیں ہیں جن میں غیر مسلموں کو اور پیغمبر کو ایک قوم بنایا گیا ہے اور ان کفار کو پیغمبر کیطرف بوجہ اتحاد نسب یا اتحاد وطن وغیرہ نسبت کیا گیا ہے۔" (ایضاً)

چنانچہ خود نبی اکرم ؐ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"بارگاہِ الٰہی سے جناب رسول اللہ صلعم اور دوسرے پیغمبروں کو بعد تقرر دین و شریعت کہا جاتا ہے۔ قُلْ یا قومِ اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل۔ (الآیہ)
کہہ دو کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرو میں اپنی جگہ عمل کرتا ہوں۔"

اس کے بعد ان آیات سے حسب ذیل نتائج مستنبط فرماتے ہیں

"الغرض یہ آیتیں صاف طور سے واضح کر رہی ہیں کہ:۔

(الف) قرآن کے نقطہ نظر اور استعمال میں لفظ قوم اپنے معنی کی حیثیت سے مسلمانوں ہی کیساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ ہر اس جماعت پر بولا جائیگا جن میں کوئی رابطہ ہو۔ خواہ نسب کا یا وطن کا یا پیشہ یا زبان کا۔

(ب) قومیت میں اشتراکِ مسلم و کافر ہو سکتا ہے اور قرآن کے استعمال میں یہ موجود ہے۔

(ج) پیغمبر بھی اتحاد قومیت میں کافر اور مشرک اور فاسق کے ساتھ دنیا میں تعلق رکھ سکتا ہے اور رکھتا ہے۔" (متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۲۲)

[ہم]ارا خیال ہے کہ اس دلیل کو پڑھکر آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہو گی کہ حضرت علامہؒ کیوں بلک بلک کر [رو]تے تھے۔ اور ہندوستان میں اسلام کے مستقبل پر کیوں خون کے آنسو بہاتے تھے۔ جس قوم کے سب سے [بڑ]ے دار العلوم کے سب سے بڑے عالم کی قرآن فہمی کی یہ حالت ہو اس قوم کے مستقبل کا خدا حافظ۔ [یہ]ی وہ احساس درد انگیز تھا جسکی بنا پر حضرتِ علامہؒ کا جگر شق ہو جاتا تھا اور جو ہجوم غم و فورِ الم کبھی [س]یلابِ اشک بنکر امنڈ آتا اور کبھی ایک آہِ سحر گاہی کی صورت میں بہ حضور حق یوں نالہ کش ہوتا۔

باآں قوم از تو میخواہم کشادے
فقیہش بے یقینے، کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من !!
"مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے"

اسمیں شبہ نہیں کہ قرآن کریم نے مختلف انبیاء کرام کے نام سے ان اقوام کو منسوب [کی]ا جو انکے پیغامات کی اولین مخاطب تھیں لیکن اس انتساب سے مقصد محض تعارف تھا وجعلنا[کم شع]وبا وقبائل لتعارفوا ہم نے تمہارے قبیلے اور خاندان اسلئے بنائے کہ تم پہچانے جاؤ۔ مثلاً

حضرت نوح ؑ جس قوم کیطرف مبعوث ہوئے اس قوم کے متعلق قرآن کریم میں جہاں کچھ ذکر آئیگا تو لامحالہ اسے قوم نوح ؑ ہی کہنا پڑیگا۔ اسکے علاوہ اس قوم کے ذکر کرنیکا اور کونسا طریقہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس قوم کا کوئی دوسرا نام ہی نہ تھا لیکن اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ اس قوم کے "کافر و مومن ملکر ایک متحدہ قومیت کے رشتہ میں منسلک ہو جاتے تھے"! نبی کی بعثت کیوقت ایک قوم موجود ہوتی تھی کبھی اسے اس نبی کی قوم کہہ دیا جاتا۔ اگر وہ کسی اور نام سے منسوب ہوتی تو وہ نام لے دیا جاتا تھا۔ مثلاً قوم عاد، قوم ثمود۔ کبھی اسے اس کے کسی سردار کیطرف منسوب کر دیا جاتا۔ جیسے قوم فرعون۔ پھر اس قوم میں سے ایک جماعت ایمان لے آتی۔ انکی اس وحدتِ تخیل اور وحدتِ عمل کی بنا پر انہیں دوسرے لوگوں سے تمیز کر کے مومنین کی جماعت کہا جاتا۔ جو اس قوم میں سے انکار و تکذیب کیے تے انہیں کفار کی جماعت کہا جاتا۔ قرآن کریم میں جہاں مختلف انبیاء کرام ؑ کے نام سے مختلف قومیں منسوب ہیں وہاں ان قوموں میں سے دو مختلف جماعتوں کا ذکر الگ الگ موجود ہے۔ اور ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ متحدہ قومیت میں کسی الگ جماعت کا نام یا ذکر یا تشخص یا جداگانہ قومی وجود اصول قومیت کے خلاف ہوتا ہے۔ پھر قرآن کریم نے ہمیں یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ ان ہر دو جداگانہ جماعتوں کے باہمی تعلقات کیسے ہوتے تھے۔ اور انکا الگ الگ انجام کیا ہوا کرتا تھا۔ متحدہ قومیت میں اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اگر ڈوبے گی تو تمام قوم ڈوبے گی، اگر ابھرے گی تو ساری کی ساری قوم ابھرے گی۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اس متحدہ قوم کا ایک حصہ سرفرازی و سربلندی، عزت و وقار، جاہ و حشمت، سطوت و حکومت کی زندگی بسر کرے اور کوئی دوسرا حصہ ذلت و مسکنت، تباہی و بربادی، افلاس و نکبت کے ہولناک عذاب میں مبتلا ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن اقوام کو مولانا صاحب انبیائے سابقہ کی متحدہ اقوام قرار دیتے ہیں انکی یہ حالت ہوتی تھی کہ ان میں سے ایک جماعت (مومنین) کامیاب و کامران

ہوتی۔ اور دوسری جماعت (کافرین) تباہی و بربادی کے جہنم میں دھکیل دی جاتی۔ سارا قرآن کریم اسی قسم کے نظائر سے بھرا پڑا ہے۔ اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی تمام تعلیم کا ماحصل یہ ہے کہ کفر و ایمان کے نتائج میں بیّن فرق کر کے دکھا دے۔ ہم یہاں صرف ایک سورت (ہود) کی چند آیات پیش کرتے ہیں۔ رکوع دوم کے اخیر دو قسم کی جماعتوں کا ذکر ہے ایک تو وہ جنکے متعلق ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ..... (۱۱/۲۳) ایمان والوں کی جماعت، دوسری وہ جسکے متعلق فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (۱۱/۲۱) کفار کی جماعت پھر ان کا باہمی موازنہ ان الفاظ میں فرمایا کہ ان کی شناخت میں شک و شبہ باقی نہ رہے۔ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ کَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا (۱۱/۲۴) ان ہر دو جماعتوں کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھنے اور سننے والے کی مثال ہے کیا یہ دونوں کبھی برابر ہو سکتے ہیں؟

قرآن کریم نے یہاں بھی لفظ فریقین فرمایا ہے جو آج کی دور حاضرہ کی سیاست کا ترجمہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جسے "فرقہ پرستی" کہا جاتا ہے جو متحدہ قومیت کی بالکل ضد ہے۔

مومنین اور کفار کے دو گروہ

اس تمہید کے بعد تیسرے رکوع سے اُمم سابقہ کے واقعات کا بیان شروع ہوتا ہے سب سے پہلے حضرت نوحؑ کی قوم کے تذکرہ کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ (۱۱/۲۵)۔ اور یقیناً ہم نے نوحؑ کو اسکی قوم کیطرف بھیجا، ایک قوم تھی جکی طرف حضرت نوحؑ کو بھیجا اسکے بعد اس قوم کے مومنین اور منکرین کا ذکر ہے منکرین کی سرکشی اور بغاوت کا بیان ہے کشتی اور طوفان کا تذکرہ ہے آخر میں اس قوم کے دو فریقوں کو بالکل الگ کر کے دکھا دیا گیا ہے۔ ایک وہ جو نذرِ طوفان ہو گیا۔ دوسرا وہ جو حضرت نوحؑ کیساتھ محفوظ و

مضمون زندہ رہا جنکے متعلق ارشاد ہے۔ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ (کہا گیا کہ اے نوحؑ ہماری طرف سے سلامتی کیساتھ اُترو اور تم پر اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں اُنپر برکات ہوں)۔

فرمایئے کہ یہ قسم کی متحدہ قومیت تھی جسکی دو جماعتوں میں یوں تفریق ہوئی پھر چوتھے رکوع میں حضرت ہودؑ کی قوم عاد کا ذکر ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ...... (اور عاد کیطرف ان کا بھائی ہود بھیجا جسنے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبودیت اختیار کرو۔ پھر اس قوم کے کفار اور مومنین کی الگ الگ جماعتوں کا ذکر ہے اور انجام کار بتایا گیا ہے کہ نہ ماننے والوں پر تباہی اور بربادی کا عذاب نازل ہوا اور مومنین کی جماعت کے متعلق ارشاد ہوا۔ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ...... (اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اسکے ساتھ ایمان لاچکے تھے اپنی رحمت سے بچالیا۔

چھٹے رکوع میں حضرت صالحؑ کی قوم ثمود کا ذکر شروع ہوتا ہے (۱۱/۶۱) اور اس قوم کی سرکشی اور فرمانبردار جماعتوں کی تفریق کے بعد قوم مومنین کے متعلق انہی الفاظ کا اعادہ ہوتا ہے جو مذکورہ صدر آیت میں مندرج ہیں۔

ساتویں رکوع میں قوم لوط کا ذکر ہے۔ اس قوم کو بھی انہی دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے منکرین پر عذاب نازل ہوتا ہے اور مومنین کی جماعت حضرت لوط کیساتھ محفوظ رکھی جاتی ہے۔ (۱۱/۸۱)

آٹھویں رکوع میں حضرت شعیب کی قوم مدین کا ذکر ہے اور اس مجولہ مسئلہ تفریق کے بعد قوم مومنین کے متعلق آیت مندرجہ بالا کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ (۱۱/۹۴)

پھر حضرت موسیٰ کی قوم اور فرعون کی تباہی کا ذکر ہے۔ اور ان انبیاء کرام اور انکی قوم کی
مومن و کافر جماعتوں کے انجام کے تذکرہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپکے
سامنے بھی اس قوم مخاطب کے دو گروہ ہیں ایک تو مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيَكْفُرُ بِالطَّاغُوْتِ والا
(جماعت مومنین) اور دوسرا مَنْ يَّكْفُرُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ بِالطَّاغُوْتِ والا (جماعت کفار)
اور دوسری جماعت کے متعلق فرمایا:۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ (۱۱/۱۲۱)

اور اس کفار کی جماعت سے کہہ دیجئے کہ تم اپنا کام کئے جاؤ ہم اپنی جگہ کام کئے جاتے ہیں۔

انْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ (۱۱/۱۲۲) تم بھی انجام کا انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

آپ ان حقائق قرآنی کو سامنے رکھیئے اور پھر اپنی بصیرت سے فتویٰ طلب فرمایئے کہ کیا ان سے
واقعی متحدہ قومیت کے دعوای کا ثبوت ملتا ہے یا اس بات کا کہ وہ لوگ جو نبی پر ایمان لاتے تھے
اور اسکی اتباع کرتے تھے وہ ایک الگ جماعت کے افراد ہوتے تھے (جنہیں اِنَّا یعنی ہم کہا گیا ہے)
اور دوسرے لوگ الگ گروہ پر مشتمل ہوتے تھے (جنہیں کُمْ یعنی تم کہکر پکارا گیا ہے) اب ظاہر
ہے کہ ہم اور تم کی تفریق سیاستِ حاضرہ کی اصطلاح میں فرقہ پرستی کہلاتی ہے اور متحدہ قومیت کی
تشکیل اسوقت ہوتی ہے جب ہم اور تم کا امتیاز یوں مٹ جائے کہ:۔

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری !

پھر یہ بھی دیکھئے کہ ان ہر دو مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کیسے ہوتے تھے۔
کیا حضرات انبیاء کرام اور انکے متبعین کی جماعت کفار کی جماعت کیساتھ یوں گھل مل کر رہتی تھی
کہ ان کی تہذیب ایک ہو جائے۔ تمدن ایک ہو جائے۔ نظریات زندگی ایک ہو جائیں یا مومنین
کی جماعت کفار کی جماعت سے برأت اور بیزاری علیحدگی اور قطع تعلق کا اعلان فرمایا کرتی تھی یہانتک

کہ خدا نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ کفار کی تباہی کے اوپر افسوس بھی نہ کرو۔

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔ (المائدہ)

قوم کفار کی بربادی پر تاسف بھی نہ کرو!

بلکہ انکی تباہی اور بربادی پر تو خوشی اور مسرت کے سجدہ ہائے شکر ادا کرنیکا حکم ہے۔ کہ جسد انسانی سے اس مادۂ فاسدہ کا نکلجانا عین صحت ہے۔ فرمایا:-

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (انعام)

پھر ان ظالمین کی جڑیں کٹ گئیں۔ سو اللہ رب العلمین کیلئے سب تعریف ہے۔

متحدہ قومیت اور اسوۂ خلیل

ملت حنیفہ کے موسس اولی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی حیات طیبہ کو قرآن کریم نے مومنین کیلئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ غور فرمایئے کہ اس باب میں انکا مسلک کیا تھا اور قرآن کریم نے کس انعام پر ان کے طرز عمل کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔ یقیناً تمہارے لئے ابراہیم اور اسکے ساتھیوں کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عداوت اور بغض ظاہر ہے جبتک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔

دیکھئے "ابراہیم والذین معہ" ایک جماعت کا نام ہے اور "قومہم" ایک دوسری جماعت

ہے اور ان دونوں میں بغض اور عداوت ظاہر ہے۔ تاوقتیکہ کفار کی جماعت ایمان نہ لے آئے۔
فرمایئے یہ بغض اور عداوت کے تعلقات متحدہ قومیت ہی کا ثبوت دیتے ہیں یا متحدہ قومیت کیلئے تؤمنوا
باللہ وحدہ کی شرط بھی ضروری ہے ذرا آج ہندوؤں سے کہئے کہ تمہارے اور ہمارے درمیان ہمیشہ کے
لئے بغض و عداوت رہیگی تاوقتیکہ تم ایمان نہ لے آؤ پھر دیکھئے کہ وہ آپکو کس طرح متحدہ قومیت کا جزو
تسلیم کرتے ہیں۔ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع میں
اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ پر عمل نہیں صرف اسکا ہی اعلان کر دیجئے پھر دیکھئے کہ یہ بڑے بڑے وسیع
الظرف قومیت پرستی کے اوتار جناب کی نسبت کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔

مولانا صاحب قومِ نوحؑ، قومِ موسیٰؑ وغیرہ کی مثالوں سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت کر سکتے
تھے کہ کفار اور مومنین کی جماعتوں کو ایک مشترکہ نام سے بھی موسوم کیا جاتا رہا ہے لیکن مشکل یہ ہوگی
کہ امتِ محمدیہ کی نسبت اس نتیجہ سے بھی کچھ فائدہ نہ اٹھایا جا سکے گا۔ اسلئے کہ جنکے متعلق خود اللہ تعالیٰ
نے کہہ دیا ہو کہ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (اسنے تمہارا نام مسلمان رکھا) کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس قوم
کا نام بھی کچھ اور رکھ سکے۔ یہ تھی متحدہ قومیت کے ثبوت میں مولانا صاحب کی پہلی دلیل۔

متحدہ قومیت کا غیر قرآنی تصور

"متحدہ قومیت کے ثبوت میں مولانا صاحب نے دوسری دلیل اُسوۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"جناب رسول اللہؐ نے اپنی رسالت کے چودہ برس گذر جانے کے بعد مدینہ منورہ میں
وہاں کے اور اپنے ساتھ کے مہاجر و انصار مسلمانوں اور مدینہ کے یہودیوں کو ملا کر
ایک متحدہ قوم اور متحدہ امت بنائی اور نہایت مفصل عہدنامہ اس امر کے متعلق تحریر فرمایا

اور اس میں تحریر کر دیا گیا کہ مشروط اور مذکورہ امور میں دشمنوں کے مقابل مسلمان اور یہود ایک امتِ متحدہ ہونگے مگر ہر ایک اپنے اپنے مذہب کا پابند ہوگا۔ متحدہ قومیت اور اسلام صد ۱۲

اسکے بعد مولانا صاحب نے اس "معاہدہ" کا ذکر فرمایا ہے جو مسلمانوں اور یہودیوں کی "متحدہ قومیت" کا مابین ہوا تھا۔

بات یوں تھی کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی بھی رہتے تھے، مدینہ منورہ کی محافظت کی ذمہ داری دونوں پر عاید ہوتی تھی اسلیے حضور ؐ نے مسلمانوں کی جماعت اور یہودیوں کی جماعت کے درمیان ایک معاہدہ کیا جسکی رو سے قرار پایا کہ اگر کوئی دشمن باہر سے حملہ آور ہوگا تو دونوں معاہد جماعتیں متحدہ طور پر اسکی مدافعت کرینگی اس سے مولانا صاحب استنباط فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ؐ نے مسلمانوں اور یہودیوں کو ملا کر ایک قوم بنا کر متحدہ قومیت کی تشکیل فرمائی تھی۔ (رسالہ مذکور صد ۲۹)

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے!

مولانا صاحب نے اس دلیل کو یہاں پہلی مرتبہ ہی نہیں پیش کیا بلکہ وہ اسے اکثر اپنی تقریروں میں بھی دہراتے رہتے ہیں اور بزعمِ خویش سمجھ لیتے ہیں کہ متحدہ قومیت کے ثبوت میں اس محکم دلیل اور عروۃ الوثقیٰ کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ وہ اگر کبھی ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں تو ان پر شاید یہ حقیقت واضح ہو جائے۔ کہ یہ واقعہ تو انکے دعوے کی بنیاد دن تک کو متزلزل کر دیتا ہے۔ یہ بات ایک "ابجد خواں" بھی جانتا ہے کہ معاہدہ ہمیشہ دو مختلف اقوام میں ہوا کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مدینہ کے مسلمانوں کا اور وہاں کے یہودیوں کا وطن ایک تھا اب اگر متحدہ قوم کی تعمیر کیلیے اشتراکِ وطن ہی ایک شرط ہو تو مدینہ کے مسلمان اور یہود تو اس اعتبار سے خود بخود ایک متحدہ قوم ہونے چاہئیں۔ اس متحدہ قوم میں "معاہدہ" خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے۔ اس معاہدہ کا نفس وجود ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان ایک ملک بلکہ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی غیر مسلموں کیا

ایک قوم نہیں بن سکتے۔ مکہ کے مسلمان اور مدینہ کے مسلمان بلکہ حبش اور روم اور فارس کے مسلمان ایک قوم کے افراد ہونگے لیکن مدینہ کے مسلمان اور مدینہ کے یہود ایک قوم نہیں بن سکیں گے ان میں اتحاد پیدا کرنے کیلئے معاہدہ کی ضرورت پڑیگی۔ نبی اکرمؐ نے یہود اور مسلمانوں کے امتزاج سے ایک متحدہ قوم کی تعمیر نہیں کی تھی بلکہ اس معاہدہ کی رُو سے دو مختلف اقوام میں باہمی اشتراک عمل اور اتحاد محاذ کی شکل پیدا کی تھی۔ اور یہ وہ شکل تھی جسے قرآن کریم بینکم و بینھم میثاق سے تعبیر کرتا ہے غور فرمائیے اس آیۂ مقدسہ میں ایک چیز ہے کم (تم) اور دوسری چیز ہے ھُم (وہ یعنی غیر مسلم) اور دونوں کے درمیان رابطہ اتحاد پیدا کرنیکا ذریعہ ہے میثاق۔ متحدہ قومیت کو چھوڑیئے اسکا تو تصور ہی یکسر غیر قرآنی ہے۔ کفر و اسلام۔ مومن و کافر کا باہمد گر یوں مل جانا کہ انہیں آپس میں کسی معاہدہ کی ضرورت نہ رہے تلبیس حق و باطل کی ایسی خوفناک مثال ہے کہ جس سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ اسلام کی رُو سے تو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں میں اتحاد پیدا کرنے کیلئے بھی میثاق کی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ ایک دوسرے کیساتھ اجتماعی حیثیت سے اشتراک عمل نہیں کر سکتے۔ اور اشتراک عمل بھی صرف ان امور میں کر سکیں گے جو اس معاہدہ میں مشروط و مذکور ہوں گے۔ اب ذرا یہ فرمائیے کہ جس طرح نبی اکرمؐ نے مدینہ کے یہود کیساتھ معاہدہ کر کے اتحاد پیدا کیا تھا۔ آپ حضرات نے ہندوؤں کی جماعت کے ساتھ کونسا ایسا معاہدہ کیا ہے۔ معاہدہ کا سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے وہ تو جیسا کہ پہلے لکھا ہے آپ کی جداگانہ قومیت ہی کو تسلیم نہیں کرتے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی تحریروں کے اقتباسات آپ دیکھ چکے ہیں وہ اسکا علانیہ تمسخر اڑاتے ہیں اور ایک جواہر لال پر کیا موقوف ہر وہ شخص (ہندو ہو یا مسلمان) جو متحدہ قومیت کا حامی ہے۔ وہ مسلمانوں کی جدا قومیت کے دعوے کو مذہبی جنون سے تعبیر کرتا ہے۔ ایسا دعویٰ کرنے والوں کو ساحرین برطانیہ کے جادو کا مسحور بتاتا

ہے۔ رجعت پسند کہتا ہے یا اسکا نام ٹوڈی رکھتا ہے یعنی وہ شخص جو ہندو مسلم اتحاد کیلئے اس راہِ عمل کو اختیار کرتا ہے جو قرآن کریم نے تجویز فرمائی اور جسپر خود نبی اکرمؐ نے عمل کر کے دکھایا وہ آج... ہندوؤں کی نگاہ میں نہیں بلکہ قومیت پرست مسلمانوں کی نگاہ میں... اور عام مسلمانوں کی نگاہ میں نہیں بلکہ کتاب و سنّت کے علمبردار ہونیکے مدعیوں کی نگاہ میں... مسلمانوں کا دشمن اور اسلام سے غداری کرنیوالا ہے اور جو اُس متحدہ قومیت کا مدعی ہے جو یورپ کی تنگ نظری کی ایجاد ہے، جسے ہندو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر الیاء درخشاں اور تابناک بنا کر پیش کر رہا ہے۔ اور جس کے ماننے سے قصرِ اسلام کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، وہ شخص واقعتاً سراپا دین ہے، سرفروش و جانباز مجاہد ہے ملّتِ اسلامیہ کا بہترین نمائندہ ہے مسلمانوں کا صحیح ترجمان ہے، لہٰذا امام الہند ہے، امیر المومنین ہے۔ یا للعجب۔

چنیں دورِ آسماں کم دیدہ باشد   کہ جبریلِ امیں را دل خراشد
چہ خوش دیرے بنا کردند آنجا   پرستد مومن و کافر تراشد

اقبالؔ

کبھی یہ حضرات ہندوؤں سے الگ ہو کر بات سنیں تو انہیں بتایا جائے کہ حضرت علامہؒ یا ان کے ہم مسلک حضرات جو مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے مدعی ہیں وہ انگریز کے مقابلہ میں ہندوؤں کے ساتھ متحدہ محاذ قائم کرنیکے لئے بالکل اسی طریقِ عمل کو اختیار کرنا چاہتے ہیں جو نبی اکرمؐ نے اختیار فرمایا تھا یعنی مسلمانوں کی الگ جماعتی حیثیت تسلیم کرا کر ہندوؤں کیساتھ من حیث الجماعت ایک معاہدہ کیا جائے۔ اور اس معاہدہ کی رو سے ہندو مسلم اتحاد پیدا کر کے صحیح آزادی حاصل کیجائے۔ لیکن ہندو چونکہ مسلمانوں کی جداگانہ جماعتی حیثیت کو فنا کر دینے کے منصوبے باندھ چکا ہے اسلیے وہ اسے تسلیم کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا اور سادہ لوح مسلمانوں کو یہ کہکر اپنے زنار کی لپیٹ میں لیتا ہے کہ یہ مطالبہ ہندو مسلم متحدہ قومیت کے راستہ میں ایک سخت روڑا ہے۔ اور انگریز کا پیدا کردہ ہے اب مسلمان ہی کہ بلا سوچے سمجھے یہ راگ الاپنا شروع کر دیتا ہے اور یوں ہر لیڈر کو نہ استعمال کا آلہ کار بنکر اسی شاخ کو کاٹنے

لگ جاتا ہے جسپر خود اس کا نشیمن ہے چونکہ یہ مسلک ہندو کے مفاد کے عین مطابق ہے اسلئے وہ ایسے مسلمانوں کی بیحد تعریف کرتا ہے انہیں آزادیٔ وطن کا پرستار کہتا ہے ہر جگہ ان کا سواگت کرتا ہے۔ ان کے چرنوں میں اپنی شردھا کے پھول چڑھاتا ہے شری یت اور دیش بندھو کہکر ڈنڈوت کرتا اور یوں ملّتِ اسلامیہ کی وحدت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں اپنی قومیّت کی دیوار میں چنتا جاتا ہے کسقدر صحیح کہا ہے اس مردِ حق آگاہ نے جسے فطرت کی کرم گستری نے بصیرت قرآنی اسقدر فراواں عطا فرمائی تھی۔ فرماتے ہیں ؎

نگہ دارد برہمن کارِ خود را — نمی گوید بکس اسرارِ خود را
بمن گوید کہ از تسبیح بگذر — بدوش خود برد زنّارِ خود را

اقبالؔ

غیر مسلموں سے مُوالات

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ انسانوں کے باہمی تعلقات کو دو شعبوں میں تقسیم کرتا ہے ایک وہ جسے وہ موالات کہتا ہے جسکے معنی ہیں قلبی تعلقات ایک دوسرے پر کامل اعتماد۔ پورا پورا دلی بھروسہ۔ ایسے تعلقات جو شرائط و قیود کی سطح سے بلند ہوں جنمیں قلب کو اتنا اطمینان حاصل ہو کہ حاضر و غائب دوسرے پر کامل بھروسہ کیا جا سکے اور یہ یقین ہو کہ میرے تمام مفاد دوسرے کے ہاتھ میں محفوظ ہیں ظاہر ہے کہ متحدہ قومیت میں اسی قسم کے تعلقات کا تقاضا ہو گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے کسی مسلم کا غیر مسلم کے ساتھ اسی قسم کے تعلقات قائم کرنا جائز ہے یا نہیں۔ قرآن کریم میں موالات کے متعلق ارشاد ہے "اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست (ولی) ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ برائی سے روکتے ہیں نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں .... ۹/۷۱"

دوسری جگہ فرمایا:۔

"تمہارے دوست تو صرف اللہ اس کا رسول اور ایماندار لوگ ہیں۔ جو نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان میں خشوع ہوتا ہے" ۵۵

ان آیات میں حصر کیساتھ بیان فرمادیا کہ موالات کے تعلقات صرف مسلمانوں کیساتھ پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ پھر اسی پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اسکے برعکس یہ بھی بالتصریح فرمادیا کہ غیر مسلموں کیساتھ ہرگز ہرگز اس قسم کے تعلقات پیدا نہیں کئے جاسکتے۔ ارشاد ہے:۔

"اے ایمان والو اپنوں کے سوا اور کسی کو دوست (دلی) مت بناؤ۔ وہ لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے وہ تمہاری ضرر رسانی کی تمنائیں رکھتے ہیں۔ بغض (منصوبے) تو ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن جسقدر انکے دل میں چھپا ہے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ ہے ہم آیات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے ہیں اگر تم سمجھنے والے ہو۔ تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہو مگر وہ کبھی تم سے محبت نہیں کرتے حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ان باتوں کو مانتے ہیں اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے سے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ جاؤ اپنے غصے میں مر مٹو اللہ دلوں کے حالات سے باخبر ہے اگر تمہیں کوئی اچھی بات پہنچ جائے تو ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے۔ اور اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم استقلال سے رہو اور ان سے اپنی حفاظت کرتے ہو تو ان لوگوں کی تدابیر تم کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچا سکیں گی۔ اللہ ان کے اعمال کو محیط ہے" ۳ ۱۱۹-۱۲۰

ہم صرف اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ آیات آج بھی قرآن کریم میں موجود ہیں یا نعوذ باللہ منسوخ ہو چکی ہیں اگر موجود ہیں تو کیا ہندوستان کا ہندو ان غیر مسلموں میں شامل ہے یا نہیں جنکی نفسیاتی کیفیت کا ذکر

ان آیات میں موجود ہے۔ اور اگر ہمدرد ان میں شامل ہے۔ تو کیا اس کے ساتھ موالات کے تعلقات پیدا کئے جا سکتے ہیں؟ اس کا جواب بھی خود قرآن کریم سے سن لیجئے، فرمایا:۔

"جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم کبھی نہ دیکھو گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں۔ جو اللہ اور رسول کے خلاف ہوں۔ گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں"۔ ۵۸/۲۲

یعنی وطن کا رشتہ تو ایک طرف یہاں تو خون کا رشتہ بھی کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق پچھلے باب میں لکھا جا چکا ہے کہ انہوں نے کس قدر واضح الفاظ میں فرمایا کہ غیر مسلم جب تک ایمان لا کر جماعت مومنین میں داخل نہ ہو جائیں ان کے ساتھ موالات کے تعلقات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس اعلان سے متصل یہ آیات بھی ملاحظہ ہوں۔ فرمایا:۔

"اے ایمان والو! تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ۔ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگ جاؤ۔ حالانکہ تمہارے پاس جو کچھ حق کے ساتھ آ چکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔....... اگر ان کو تم پر دسترس حاصل ہو جائے تو (فوراً) تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ اور تم پر زبان اور ہاتھ سے مضرت رسانی پر اتر آئیں گے۔" ۶۰/۱-۲

واضح رہے کہ ان ارشادات خداوندی میں کسی خاص زمانہ کسی خاص ملک یا کسی خاص قوم کے غیر مسلموں کا ذکر نہیں۔ بلکہ یہ تمام کفار کو محیط ہیں۔ قرآن کریم میں اس بات کی صراحت متعدد مقامات پر موجود ہے جس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں البتہ اگر کسی کو اس میں کلام ہو۔ تو ہم اس کی تصریحات پیش کرنے کو بھی تیار ہیں۔ قرآن کریم نے

مسلمانوں کو کفار کے موالات سے جو اتنی شدت سے روکا ہے تو اس کی وجہ بھی بیان فرمادی ہے کہ:۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ ۹۴

وہ لوگ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے خود ہیں اسی قسم کا تمہیں بنالیں، تاکہ تم اور وہ سب برابر ہو جاؤ۔ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا۔

اسمیں یہ ٹکڑا "فتکونون سوآء" قابل غور ہے۔ یعنی ان کی خواہش یہ ہے کہ وہ تم کو بھی اپنے جیسا بنالیں اور یوں تم سب برابر ہو جاؤ۔ ایک جیسے ہو جاؤ۔ ذرا غور کیجئے کیا متحدہ قومیت کی بنیاد یہی اس اصول پر نہیں ہے کہ ہندو اور مسلمان برابر ہو جائیں۔ ایک قوم بن جائیں۔ اقلیتیں اپنے امتیازی نشانات چھوڑ کر متحدہ قومیت کے اجزاء بن جائیں۔ حالانکہ مسلمان کا امتیازی نشان ہی ایسا ہے۔ کہ وہ صرف خدا کے رنگ میں رنگا ہو صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہو سکتا ہے؟ اور یہ رنگ اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک جماعتی زندگی کا وجود قائم ہے۔ جب یہ امتیازی وجود مٹ جائیگا تو یہ رنگ بھی باقی نہیں رہے گا۔ غیر ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے۔ فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ۲۹

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے ہوگے تو وہ تمہیں ایک امتیازی زندگی عطا کریگا۔

یہ امتیاز مٹ گیا تو مسلمان بھی باقی نہ رہا۔ اور "فتکونون سوآء" سے کفار کی خواہش بھی یہی ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح یہ امتیاز مٹ جائے۔ اور اس کے مٹانے کے لئے آج

ہندوستان میں سب سے بڑا حربہ متحدہ قومیت کا تصور ہے۔ جسے مولانا صاحب عین اسلامی شعار بنا رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ

در صد فتنہ را بر خود گشادی ۔۔۔ دو گامے رفتی و از پا فتادی
برہمن از بتاں طاق خود آراست ۔۔۔ تو قرآں را سر طاقے نہادی
اقبالؔ

عہد وپیمان کے تعلقات

تعلقات کی دوسری قسم یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ باہمی عہد وپیمان کرے۔ معاہدہ اور میثاق کی رو سے شروط مذکور معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ کرے۔ یہ وہ طریق ہے جسکی قرآن کریم اجازت دیتا ہے۔ اور یہی وہ طریق ہے جسکی رُو سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی اتحاد نبی اکرمؐ نے مدینہ کے یہود کیساتھ پیدا کیا تھا۔ قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ کفار اپنے عہد وپیمان پر بھی بہت کم پابند رہیں گے۔ اس لئے کہ ایک مسلمان تو اسلئے معاہدہ کی پابندی ضروری سمجھتا ہے کہ یہ اسکے خدا کا حکم ہے۔ ایسا نہ کرنے سے وہ خدا کے ہاں مجرم قرار پائیگا۔ اس کے برعکس کفار معاہدہ کو محض ایک سیاسی چال سمجھتے ہیں۔ یونان کے ایک بہت بڑے مقنن سولن کا یہ قول کسے یاد نہیں کہ "معاہدہ مکڑی کا جالا ہے جو اپنے سے کمزور کو پھنسا لیتا ہے لیکن اپنے سے طاقتور کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا"۔ اور آج کون ہے جو سیاسیات عالم کا مطالعہ کرنے اور اس مقولہ کی تصدیق نہ کرے۔ اسلئے قرآن کریم نے یہ بھی فرمایا۔ کہ غیر مسلموں کے ساتھ عہد وپیمان کرنے کے بعد آرام کی نیند نہ سو جاؤ۔ بلکہ اپنی جمعیت اور طاقت کو ہمیشہ کے لئے برقرار رکھو۔ کہ عہد بھی انہی قوموں سے استوار رہتے ہیں جنکی

طاقت موجود ہوتی ہے مسلمان اس طاقت کو عہد شکنی میں یا کمزوروں کے کچلنے میں صرف نہیں کرے گا، بلکہ اسے اس لئے برقرار رکھے گا کہ :-

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اس کے بغیر ہر بالادست قوت اسے ہڑپ کرنیکی فکر میں رہے گی۔ اسلئے فرمایا:-

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ

اور ان کے خلاف ہر ممکن قوت کیساتھ اور پلے ہوئے گھوڑوں سے اپنے آپکو تیار رکھو تاکہ اس سے اللہ کے اور تمہارے دشمن خوف کھائیں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی۔

قومیت پرست حضرات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ فرض کیجئے ہم ہندوؤں کے ساتھ آج معاہدہ بھی کرلیں تو اسکی کیا ضمانت ہے۔ کہ وہ معاہدہ کی پابندی ضرور کریں گے لیکن وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں۔ کہ معاہدہ سے مطلب یہ نہیں کہ ایک کاغذ پر دستخط کرکے پھر بیفکر ہو جانا چاہئے۔ ہندوستان میں مسلمان کچھ کم حیثیت نہیں رکھتے۔ نو کروڑ نفوس اگر اپنے اندر اجتماعیت کا جذبہ پیدا کرکے ایک نظام اور ایک مرکز کے ماتحت زندگی بسر کرنیکا تہیہ کرلیں تو ہندو تو ایک طرف انگریز کی بھی مجال نہیں کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ اس وقت دیکھئے کہ معاہدوں کی توقیر کس طرح نہیں ہوتی۔ یہی تو وہ خطرہ ہے جسکے لئے ہندو مسلمانوں کی الگ جماعتی زندگی کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا اور اس کے خلاف اس نے متحدہ قومیت کا ایسا نظر فریب جال تیار کیا ہے کہ جسمیں بڑے بڑے مرغ زیرک رشتہ برپا نظر آتے ہیں۔ ورنہ کفار پر اعتماد۔ ان سے دلی دوستی۔ ان کے وعدوں کا اعتبار

ان سے یگانگت کے تعلقات مسلمانوں کی اجتماعی خودکشی کے مرادف ہیں۔
سطور بالا میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کتاب و سُنّت کی روشنی میں بیان کیا ہے لیکن ہمارے "قومیت پرست" حضرات کی یہ عادت ہو چکی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کی کوئی بات صحیح نہیں تسلیم کرتے جو ان سے اختلاف رائے رکھتا ہو۔ خواہ وہ قرآن ہی کیوں نہ پڑھ کر سُناتے۔ اسلئے ضروری معلوم ہوا کہ اس باب میں انہی میں سے ایک جلیل القدر ہستی کے خیالات پیش کر دئے جائیں جنھیں وہ اپنے مسلک قومیت پرستی سے پہلے اپنی پوری شانِ خطابت کے ساتھ مسلمانوں کے لئے واحد اسلامی راہِ عمل قرار دیا کرتے تھے۔ سُنئے اور غور سے سُنئے کہ مولانا ابوالکلام آزاد جو کاروانِ "قومیت پرستی" کے سرخیل ہیں۔ کیا ارشاد فرماتے ہیں:۔
(یہ ارشادات قومیت پرستی کے غیر اسلامی مسلک سے پہلے کے ہیں)

مولانا آزاد کے ارشادات مسلک قومیت پرستی سے پہلے

"کفار کے عہد و پیمان کا نہیں بار بار تجربہ ہو چکا ہے۔ وہ آبرو باختہ ہیں۔ عزّتِ نفس و شرف کا انہیں لحاظ تک نہیں۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں۔ حلف اٹھاتے ہیں کہ یہ وعدہ استوار ہے۔ اسمیں دوام و استمرار ہے۔ یہ عہد محکم ہے۔ یہ قول و قرار قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ زبان سے سب کچھ کہتے ہیں مگر ہاتھ سے کام لینے کے وقت کچھ یاد نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کے مطیع رہنا ذلّت کی بات ہے۔ اسلام اپنے فرزندوں کو ان سے باز رہنے کی ہدایت کرتا ہے کہ خبردار یہ قسمیں کھانیوالے ذلیل النفس ہیں ان کے حلف پر

نہ جانا یہ ادھر کی بات اُدھر لگاتے ہیں۔ قوم میں تفرقے پیدا کرتے ہیں۔ منع خیر کیلئے نہایت مبالغہ کیساتھ آمادہ رہتے ہیں۔ حد سے بڑھ جاتے ہیں تعدّی ان کا شیوہ ہے۔ تطاول ان کی عادت ہے۔ ...... کفار سے مسلمانوں کو ساز باز نہ رکھنا چاہیئے۔ ان سے بے تعلقی لازم ہے۔ جو ساز و باز رکھتے ہیں جنھیں ان سے بے تعلق رہنے میں اپنے اور اپنی قوم کیلئے مشکلات اور مصائب کا اندیشہ ہے وہ غلطی پر ہیں۔ انکو پشیمان ہونا پڑیگا۔ اسلام کو فتح نصیب ہو گی۔ اور مسلمانوں کی بہبود و بہتری کا قدرت کاملہ کوئی اور انتظام کرےگی،،

(مضامین آزاد حصہ سوم)

خدا معلوم وہ قرآن اب کہاں چلا گیا جو ان حضرات کو کفار کے متعلق اس قسم کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ اس بصیرت ایمانی کو کن چیزوں کی چمک چکا چوند کر گئی جو ان حقائق کو بے نقاب دیکھا کرتی تھی۔ اس جرأت ایمانی کو کس کی نظر کھا گئی جو سینے کے پورے زور سے کفار سے برأت و بیزاری کا اعلان کیا کرتی تھی۔ وہ حرارت قلبی کون سی مصلحت کوشیوں کی برفانی سلوں کے نیچے دب گئی۔ جو کفار کی سازشوں پر یوں مشتعل ہو جایا کرتی تھی۔ اس قدرت کاملہ پر بے پناہ توکل کو کیا ہو گیا جو کبھی یہ تسکین دیا کرتا تھا۔ کہ کفار کی کثرت سے گھبرا کر ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے پر آمادہ نہ ہو جاؤ۔ اسلام کی کامیابی کے لئے خدا خود کوئی انتظام کر دے گا۔ اسے قوم کی بدبختی نہ کہئے تو اور کیا کہئے۔ کہ یہ حضرات جو کبھی اپنے صحیح اسلامی مسلک کی بنا پر قوم کی نگاہوں میں ممتاز و مقدس قرار پا گئے تھے اپنی اس پوزیشن سے یوں ناجائز فائدہ اٹھا کر اب قوم کو اپنے ہاتھوں جہنم میں دھکیل رہے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۱۴/۲۹-۲۸

کیا تم نے ان لوگوں کی طرف بھی دیکھا جنہوں نے کفرانِ نعمتِ الٰہی کیا اور یوں اپنی قوم کو جہنم میں دھکیل دیا جس میں وہ داخل ہونگے اور جو بہت بری جگہ رہنے کی ہے۔

اِسلامی جماعت سے علیحدگی کفر ہے!

اسلام کا نظام اجتماعی یہ ہے۔ کہ تمام معاملات کے فیصلوں کے لئے کتاب اللہ بہ حیثیت قانون قیامت تک کے لئے موجود ہے۔ اس قانون کو نافذ کرنے کے لئے امامت کبریٰ کے مرکزِ اولین، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ ان کے بعد یہ منصبِ امامت حضور ؐ کے جانشینوں ؓ کی طرف منتقل ہوگیا۔ لہٰذا آج مسلمانوں کے لئے اسلامی نظامِ زندگی یہ ہوگا کہ ان کی اپنی جماعت ہو۔ اس جماعت کے منتخب افراد پر مشتمل ایک مجلس مشاورت ہو اور ان میں انقیٰ۔ سب سے زیادہ متقی ان کا امیر ہو۔ اور مسلمانوں کے تمام امور اس نظام کے ماتحت سرانجام پائیں۔ ایسے نظام کے بغیر محض نماز، روزہ سے جس قسم کا اسلام باقی رہتا ہے۔ اس کے متعلق ہم سے نہیں۔ بلکہ ایک قومیت پرست عالم دین کی زبانی سُنیئے۔ مولانا آزاد حیاتِ اجتماعیہ اسلامیہ کی بحث کے دوران میں لکھتے ہیں۔ (لیکن وطنیت پرستی کے زمانہ سے بیشتر)

"احادیثِ صحیحہ سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ اس بارے میں اس کثرت کے ساتھ حدیثیں موجود ہیں اور عہد صحابہ سے لیکر

عہدِ تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ حفاظ میں اس قدر انکی شہرت رہ چکی ہے کہ اسلام کے عقیدہ توحید و رسالت کے بعد شاید ہی کوئی چیز اس درجہ تواتر و یقین تک پہنچی ہوگی۔ سب سے پہلے میں مسند امام احمدؒ وغیرہ کی ایک روایت نقل کروں گا جمیں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ہے۔

قَالَ صلعم- اِنِّی اٰمرکم بخمسٍ اَللّٰہُ اَمَرَنِی بِھِنَّ۔ الجماعۃ والسّمع۔ والطّاعتہ۔ والھجرۃ۔ والجھادُ فِی سبیل اللہ۔ اِنَّہٗ مَنْ خرج مِنَ الجماعۃِ قید شبر فقدْ خلع ربقۃ الاِسلام من عُنُقِہٖ الاّ ان یّراجع ومن دعا بدعوٰی جاھِلیۃٍ۔ فھو من جھنّم۔ قالوا یارسولَ اللہ وان صامُ وان صلّی۔ قال ان صلّی وصام وزعمَ انّہٗ مُسلِمٌ۔

یعنی فرمایا۔ تم کو پانچ باتوں کے لئے حکم دیتا ہوں۔ جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت۔ سمع طاعت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا۔ تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ اور جس نے اسلام کی جماعتی زندگی کی جگہ جاہلیت کی بے قیدی کی طرف بلایا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ (حضورؐ) کیا ایسا شخص جہنمی ہوگا۔ خواہ وہ روزہ رکھتا ہو۔ نماز پڑھتا ہو۔ فرمایا ہاں۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو۔ روزہ رکھتا ہو۔ اور

بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو۔

پہلی چیز جماعت ہے۔ یعنی تمام امت کو ایک خلیفہ و امام پر جمع ہو کر اور اپنے مرکز قومی سے جڑ کر رہنا چاہیئے۔ الگ الگ نہیں رہنا چاہیئے۔ آگے چل کر شہادت کے ساتھ ایسی حدیثیں ملیں گی جن سے معلوم ہو گا۔ کہ جماعت سے الگ ...... ہو کر رہنے کو یا ایسی منتشر زندگی کو جو ایک بندھی سمٹی ہوئی جماعت کی شکل نہ رکھتی ہو۔ اور کسی امیر کے تابع نہ ہو۔ اسلام نے غیر اسلامی اور ابلیسی راہ قرار دیا ہے۔ انفرادی زندگی کو وہ زندگی ہی نہیں مانتا۔ اسلامی زندگی جماعت ہے۔"

(الخلافۃ والجزیرۃ العرب۔ مولینا ابوالکلام آزاد)

ور اسی بنا پر مولانا آزاد نے کبھی فرمایا تھا کہ:۔

"مسلمانوں کی قومیت صادقہ کا مدار صرف شریعت ہے۔"

(خطبہ صدارت لاہور)

ان امور سے آپ اندازہ فرمایئے کہ کانگرس جس قسم کی مذہبی آزادی کی مانت دیتی ہے۔ وہ مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ میں سمٹ کر رہ جاتا ہے یا اس ے کچھ زیادہ بھی رہتا ہے؟ اس سے آگے بڑھنے والا مذہب تو مسلمانوں کے ے الگ نظام اور اپنی الگ جماعت کے قیام کا مقتضی ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ ں ہیں جو انتہائی "فرقہ پرستی" پر دلالت کرتی ہیں۔ لہذا "قومیت پرستی" انہیں س طرح اپنے دستورالعمل میں جگہ دے سکتی ہے؟ ہم مولانا صاحب کو کس طرح

سمجھائیں کہ اسلام تو ایمان اور اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض مسلمانوں کی اپنی حکومت وسلطنت قرار دیتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ۔

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور وہ اعمالِ صالحہ کرتے ہیں۔ یہ وعدہ کر رکھا ہے، کہ وہ انہیں اس دنیا میں حکومت عطا فرمائے گا۔

ذرا کانگرس سے کہئے کہ اس قسم کے مذہب کی آزادی کی ضمانت دیدے جو مسلمانوں کی اپنی حکومت کے قیام کی طرف منجر ہو، پھر دیکھئے کہ کانگرس کی طرف سے کیا جواب ملتا ہے۔ اور جو مذہب مسلمانوں کو ان کی اپنی حکومت کے قیام کیطرف نہیں لیجاتا، وہ ایک پرائیویٹ عقیدہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس قسم کے مذہب کی آج بھی آزادی حاصل ہے۔ اور اسی قسم کے مذہب کی آزادی کی ضمانت کانگریس کے ریزولیوشن دیتے ہیں۔ جن پر مولانا صاحب اور ان کے ہم مسلک حضرات یوں شاداں و فرحاں پھرتے ہیں۔ سچ فرمایا تھا حضرتِ علامہ نے کہ:۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدہ کی اجازت ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

نوٹ:

مولوی حسین احمد دیوبندی صاحب کا رسالہ "متحدہ قومیت اور اسلام" "جامعہ مدینہ" لاہور کی طرف سے طبع ہو کر ملک میں تقسیم ہو رہا ہے، لہٰذا اس کے زہریلے اثرات کو دور کرنے کے لیے اس کا رد "متحدہ قومیت اور اسلام" از مولانا نازری کا فوٹو دوبارہ (فروری ۱۹۷۰ء میں) شائع کیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ

ناظم مکتبہ حبیبیہ، ۴۔ مین بازار داتا صاحب، لاہور

معارف پرنٹنگ پریس، گنج بخش روڈ، لاہور